

خطبہ (۱۲۳)

اے لوگو! تم اس دنیا میں موت کی تیر اندازیوں کا ہدف ہو (جہاں) ہر گھونٹ کے ساتھ اچھو ہے اور ہر لمحہ میں گلوگیر پھندتا ہے۔ جہاں تم ایک نعمت اس وقت تک نہیں پاتے جب تک دوسرا نعمت جدائہ ہو جائے اور تم میں سے کوئی زندگی پانے والا ایک دن کی زندگی میں قوم نہیں رکھتا جب تک اس کی مدتِ حیات میں سے ایک دن کم نہیں ہو جاتا اور اس کے کھانے میں کسی اور رزق کا اضافہ نہیں ہوتا جب تک پہلا رزق ختم نہ ہو جائے اور جب تک ایک نقشِ مٹ نہ جائے دوسرا نقش ابھرتا نہیں اور جب تک کوئی نئی چیز کہنہ و فرسودہ نہ ہو جائے دوسری نئی چیز حاصل نہیں ہوتی اور جب تک کٹی ہوئی فصل گرنہ جائے نئی فصل کھڑی نہیں ہوتی۔ آباً اجداد گزر گئے اور ہم انہی کی شاخیں ہیں۔ جب جڑ ہی نہ رہتی تو شاخیں کہاں رہ سکتی ہیں۔

[ای خطبہ کا ایک جزیہ ہے]

کوئی بدعت وجود میں نہیں آتی، مگر یہ کہ اسکی وجہ سے سنت کو چھوڑنا پڑتا ہے۔ بعدی لوگوں سے بچو، روشن طریقہ پر مجھے رہو۔ پرانی باتیں ہی اچھی ہیں اور (دین میں) پیدا کی ہوئی نئی چیزیں بدتریں ہیں۔

--☆☆--

خطبہ (۱۲۴)

جب حضرت عمر ابن خطاب نے جنگ فارس میں شریک ہونے کیلئے آپ سے مشورہ لیا تو آپ نے فرمایا: ط اس امر میں کامیابی و ناکامیابی کا دار و مدار فوج کی کمی بیشی پر نہیں رہا ہے۔ یہ تو اللہ کا دین ہے جسے اُس نے (سب دینوں پر) غالب رکھا ہے اور اسی کا لشکر ہے جسے اُس نے تیار کیا ہے اور اس کی ایسی

(۱۴۳) وَمِنْ خُلُبِهِ لَهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ

آیہٗ النّاسُ! إِنَّمَا أَنْتُمْ فِي هَذِهِ الدُّنْيَا غَرَضٌ تَنْتَصِلُ فِيهِ الْمُنَانِيَا، مَعَ كُلِّ جُزْعَةٍ شَرَقٌ، وَ فِي كُلِّ أَكْلَةٍ غَصَصٌ! لَا تَنَالُونَ مِنْهَا نِعْمَةً إِلَّا بِفَرَاقٍ أُخْرَى، وَ لَا يُعْمَرُ مُعْمَرٌ مِنْكُمْ يَوْمًا مِنْ عُمْرِهِ إِلَّا بِهَدْمِ أَخْرَى مِنْ أَجْلِهِ، وَ لَا تُجَدِّدُ لَهُ زِيَادَةً فِي أَكْلَهُ إِلَّا بَنَفَادَ مَا قَبْلَهَا مِنْ رِزْقِهِ، وَ لَا يُحْيِي لَهُ أَثْرًا إِلَّا مَاتَ لَهُ أَثْرًا، وَ لَا يَتَجَدَّدُ لَهُ جَدِيدٌ إِلَّا بَعْدَ أَنْ يَخْلُقَ لَهُ جَدِيدٌ، وَ لَا تَقُومُ لَهُ نَايَةٌ إِلَّا وَ تَسْقُطُ مِنْهُ مَحْصُودَةً، وَ قَدْ مَضَتْ أُصُولُ نَحْنُ فُرُوعُهَا، فَمَا بَقَاءُ فَرِيعٌ بَعْدَ ذَهَابِ أَصْلِهِ!

[مِنْهَا]

وَ مَا أَخْدِثْتُ بِدُعَةً إِلَّا ثُرِكَ بِهَا سُنَّةً، فَأَنَّقُوا الْبِدَعَ، وَ الْزُّمُوا الْمَهْيَعَ، إِنَّ عَوَازَمَ الْأُمُورِ أَفْضَلُهَا، وَ إِنَّ مُحَدَّثَاتَهَا شَرَارُهَا.

-----☆☆-----

(۱۴۴) وَمِنْ كَلَمِ لَهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ

وَ قَدِ اسْتَشَارَهُ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ فِي الشُّخُوصِ لِقَتَالِ الْفُرْسِ بِنَفْسِهِ: إِنَّ هَذَا الْأَمْرَ لَمْ يَكُنْ نَصْرًا وَ لَا خَذْلًا نَهْ بِكَثْرَةٍ وَ لَا بِقَلَةٍ، وَ هُوَ دِينُ اللَّهِ الَّذِي أَظْهَرَهُ، وَ جُنْدُهُ الَّذِي أَعَدَهُ وَ أَمَدَهُ،

نصرت کی ہے کہ وہ بڑھ کر اپنی موجودہ حد تک پہنچ گیا ہے اور پھیل کر اپنے موجودہ پھیلاؤ پر آگیا ہے اور ہم سے اللہ کا ایک وعدہ ہے اور وہ اپنے وعدہ کو پورا کرے گا اور اپنے لشکر کی خود ہی مدد کرے گا۔

امور (سلطنت) میں حاکم کی حیثیت وہی ہوتی ہے جو مہروں میں ڈورے کی جوانی میں سمیٹ کر رکھتا ہے۔ جب ڈورا ٹوٹ جائے تو سب مہرے بکھر جائیں گے اور پھر کبھی سمٹ نہ سکیں گے۔ آج عرب والے اگرچہ گنتی میں کم ہیں مگر اسلام کی وجہ سے وہ بہت ہیں اور اتحاد باہمی کے سبب سے (فتح) غلبہ پانے والے ہیں۔ تم اپنے مقام پر کھوٹی کی طرح جسے رہو اور عرب کا نظم و نسق برقرار رکھو اور ان ہی کو جنگ کی آگ کا مقابلہ کرنے دو۔ اس لئے کہ اگر تم نے اس سرزی میں کوچھوڑا تو عرب اطراف و جوانب سے تم پر ٹوٹ پڑیں گے، یہاں تک کہ تمہیں اپنے سامنے کے حالات سے زیادہ ان مقامات کی فکر ہو جائے گی جنہیں تم اپنے پس پشت غیر محفوظ چھوڑ کر گئے ہو۔

کل اگر جنم والے تمہیں دیکھیں گے تو (آپس میں) یہ کہیں گے کہ یہ ہے ”سردار عرب“، اگر تم نے اس کا قلع قلع کر دیا تو آسودہ ہو جاؤ گے تو اس کی وجہ سے ان کی حرص و طمع تم پر زیادہ ہو جائے گی۔

لیکن یہ جو تم کہتے ہو کہ وہ لوگ مسلمانوں سے لڑنے بھڑنے کیلئے چل کھڑے ہوئے ہیں تو اللہ ان کے بڑھنے کو تم سے زیادہ برا سمجھتا ہے اور وہ جسے برا سمجھے اس کے بدلنے (اور روکنے) پر بہت قدرت رکھتا ہے اور ان کی تعداد کے متعلق جو کہتے ہو (کہ وہ بہت ہیں) تو ہم سابق میں کثرت کے بل بوتے پر نہیں لڑا کرتے تھے بلکہ (اللہ کی) تائید و

حَتَّىٰ بَلَغَ مَا بَلَغَ، وَ طَلَعَ حَيْثُ طَلَعَ، وَ تَحْنُ عَلَىٰ مَوْعِدٍ مِّنَ اللَّهِ، وَاللَّهُ مُنْجِزٌ وَّعْدَهُ، وَ نَاصِرٌ جُنْدَهُ۔

وَ مَكَانُ الْقَيْمِ بِالْأَمْرِ مَكَانُ النِّظَامِ مِنَ الْخَرَزِ يَجْمِعُهُ وَ يَضْمِنُهُ، فَإِنِّي أَنْقَطَعُ النِّظَامُ تَفَرَّقَ الْخَرَزُ وَ ذَهَبَ، ثُمَّ لَمْ يَجْتَمِعُ بِحَذَافِيرِهِ أَبَدًا。 وَ الْعَرَبُ الْيَوْمَ وَ إِنْ كَانُوا قَلِيلًا، فَهُمْ كَثِيرُونَ بِالْإِسْلَامِ، وَ عَزِيزُونَ بِالْجِتِمَاعِ! فَكُنْ قُطْبًا، وَ اسْتَدِرِ الرَّحْمَنِ بِالْعَرَبِ، وَ أَصْلِهِمْ دُونَكَ نَارَ الْحَرَبِ، فَإِنَّكَ إِنْ شَخَصْتَ مِنْ هَذِهِ الْأَرْضِ انْتَقَضَتْ عَلَيْكَ الْعَرَبُ مِنْ أَظْرَافِهَا وَ اقْطَارِهَا، حَتَّىٰ يَكُونَ مَا تَدَعُ وَرَاءَكَ مِنَ الْعُورَاتِ أَهَمَّ إِلَيْكَ مِمَّا بَيْنَ يَدَيْكَ۔

إِنَّ الْأَعَاجِمَ إِنْ يَنْظُرُوا إِلَيْكَ غَدًا يَقُولُوا: هُذَا أَصْلُ الْعَرَبِ، فَإِذَا اقْتَطَعْتُمُوهُ اسْتَرْخَتْمُ، فَيَكُونُ ذَلِكَ أَشَدَّ لِكَبِيْهِمْ عَلَيْكَ، وَ طَبَعُهُمْ فِيْكَ۔

فَأَمَّا مَا ذَكَرْتَ مِنْ مَسِيرِ الْقَوْمِ إِلَى قِتَالِ الْمُسْلِمِينَ، فَإِنَّ اللَّهَ سُبْحَانَهُ هُوَ أَكْرَهُ لِمَسِيرِهِمْ مِنْكَ، وَ هُوَ أَقْدَرُ عَلَى تَغْيِيرِ مَا يَكْرُهُ。 وَ أَمَّا مَا ذَكَرْتَ مِنْ عَدَدِهِمْ، فَإِنَّا لَمْ نَكُنْ نُّقَاتِلُ فِيهَا مَضِيًّا بِالْكَثْرَةِ، وَ إِنَّمَا كُنَّا

نصرت (کے سہارے) پر۔

--☆☆--

نُقَاتِلُ بِالنَّصْرِ وَ الْمَعْوَنَةِ!

-----☆☆-----

۴۔ جب حضرت عمر کو کچھ لوگوں نے جنگ قادسیہ یا جنگ نہادن کے موقع پر شریک کارزار ہونے کا مشورہ دیا تو آپ نے لوگوں کے مشورہ کو اپنے جذبات کے خلاف سمجھتے ہوئے امیر المؤمنین علیہ السلام سے مشورہ لینا بھی ضروری بمحاجہ کہ اگر انہوں نے ٹھہر نے کامشورہ دیا تو دوسروں کے سامنے یہ غدر کردیا جائے گا کہ امیر المؤمنین علیہ السلام کے مشورہ کی وجہ سے رک گیا ہوں اور اگر انہوں نے بھی شریک جنگ ہونے کامشورہ دیا تو پھر کوئی اور تدبیر سوچ لی جائے گی۔ چنانچہ حضرت نے دوسروں کے خلاف انہیں ٹھہرے رہنے کی کامشورہ دیا۔ دوسرے لوگوں نے تو اس بنا پر انہیں شرکت کامشورہ دیا تھا کہ وہ دیکھ جکے تھے کہ رسول اللہ ﷺ صرف لشکر والوں ہی کو جنگ میں مجبو نکلتے تھے بلکہ خود بھی شرکت فرماتے تھے اور اپنے خاندان کے عزیز ترین فردوں کو بھی اپنے ساتھ رکھتے تھے اور امیر المؤمنین علیہ السلام کے پیش نظر یہ چیز تھی کہ ان کی شرکت اسلام کیلئے مفید نہیں ہو سکتی، بلکہ ان کا اپنے مقام پر ٹھہرے رہنا ہی مسلمانوں کو پرائیڈنگ سے محفوظ رکھ سکتا ہے۔

حضرت کا رشاد کہ ”حاکم کی حیثیت ایک محور کی ہوتی ہے جس کے گرد نظام مملکت گھومتا ہے“، ایک بنیادی اصول کی حیثیت رکھتا ہے اور کسی خاص شخصیت کے متعلق نہیں ہے۔ چنانچہ حکمران مسلمان ہو یا کافر، عادل ہو یا ظالم، نیک عمل ہو یا بد کردار، مملکت کے نظم و نتیجے اس کا وجود ناگزیر ہے۔ جیسا کہ حضرت نے اس مطلب کو دوسرے مقام پر وضاحت سے بیان فرمایا ہے:

وَ إِنَّهُ لَا بُدَّ لِلنَّاسِ مِنْ أَمِيرٍ بَرِّأً أَوْ فَاجِرٍ، يَعْمَلُ فِي إِمْرَاتِهِ الْمُؤْمِنُونَ، وَ يَسْتَمْتَعُ فِيهَا الْكَافِرُونَ، وَ يُبَيِّنُ اللَّهُ فِيهَا الْأَجَلَ، وَ يُجْمَعُ بِهِ الْفَقِيرُ، وَ يُقَاتَلُ بِهِ الْعُدُوُّ، وَ تَأْمَنُ بِهِ السُّبُلُ، وَ يُؤْخَذُ بِهِ لِلضَّعِيفِ مِنَ الْقَوِيِّ، حَتَّى يَسْتَرِيْحَ بَرِّ، وَ يُسْتَرَاحَ مِنْ فَاجِرٍ.

لوگوں کیلئے ایک حاکم کا ہونا ضروری ہے، وہ نیک ہو یا بد کردار۔ (اگر نیک ہو گا تو) مون اس کی حکومت میں اپنے عمل کر سکے گا اور (اگر فاسق ہو گا تو) کافر اس کے عہد میں بھرہ اندوز ہوں گے اور اللہ اس نظام حکومت کی ہر چیز کو اس کی آخری حدود تک پہنچا دے گا۔ اس حاکم کی وجہ سے (چاہے وہ اچھا ہو یا برا) مالیات فراہم ہوتے ہیں، دشمن سے لڑا جاتا ہے، راستے پر امن رہتے ہیں، یہاں تک کہ نیک حاکم (مرکر یا معزول ہو کر) راحت پائے اور برے حاکم (کے مرنے یا معزول ہونے) سے دوسروں کو راحت پہنچے۔

حضرت نے مشورہ کے موقع پر جو الفاظ کہے ہیں ان سے حضرت عمر کے حاکم و صاحب اقتدار ہونے کے علاوہ اور کسی خصوصیت کا اظہار نہیں ہوتا اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ انہیں دنیاوی اقتدار حاصل تھا، پاہے وہ صحیح طریق سے حاصل ہوا ہو یا غلط طریق سے اور جہاں اقتدار ہو یا ان رعیت کی مرکزیت بھی حاصل ہوتی ہے۔ اسی لئے حضرت نے فرمایا کہ: اگر وہ بکھرے ہوں گے تو پھر عرب بھی جو حق درجوق میدان جنگ کا

رخ کریں گے، یونکہ جب حکمران ہی مکل کھڑا ہو تو عیت پیچھے رہنا گواراہ کرے گی اور ان کے نکلنے کا تجھیہ ہو گا کہ شہروں کے شہر خالی ہو جائیں گے اور دشمن بھی ان کے میدان جنگ میں پیچ جانے سے یہ اندازہ کر لے گا کہ اسلامی شہر خالی پڑے ہیں۔ اگر انہیں پسپا کر دیا گیا تو پھر مسلمانوں کو مرکز سے بکھارنا ممکن ہے اور اگر حکمران ہی کو ختم کر دیا گیا تو فوج خود بخود منتشر ہو جائے گی۔ یونکہ حکمران منزلہ اساس و بنیاد کے ہوتا ہے۔ جب بنیاد ہی بل جائے تو دیواریں کھڑی رہ سکتی ہیں۔ یہ ”صل العرب“ (عرب کی جزو) کی لفظ حضرتؐ نے اپنی طرف سے نہیں فرمائی، بلکہ عجموں کی زبان سے نقل کی ہے اور ظاہر ہے کہ بادشاہ ہونے کی وجہ سے وہ ان کی نظریوں میں بنیاد عرب ہی سمجھے جا رہے تھے اور پھر یہ اضافت ”ملک“ کی طرف ہے، ”اسلام“ یا ”مسلمین“ کی طرف نہیں ہے کہ اسلامی اعتبار سے ان کی کسی اہمیت کا اظہار ہو۔

جب حضرتؐ نے انہیں بتایا کہ ان کے پیچ جانے سے عجم انہی کی تاک میں ریں گے اور ہتھے چڑھ جانے پر وہ قل کئے بغیر مدد میں گے تو ایسی باتیں اگر پہنچا عوں کیلئے سمند بھت پرتاز یا نہ کام دیتی ہیں اور ان کا جوش و ولاء ابھر آتا ہے۔ مگر آپ نے ٹھہرے رہنے ہی کا مشورہ پسند فرمایا اور جنگ کے شعلوں سے اپنادامن بچانا ہی بہتر سمجھا۔ اگر یہ مشورہ ان کے طبعی میلان کے موافق ہے ہوتا تو وہ اس طرح خندہ پیشانی سے اس کا خیر مقدم نہ کرتے، بلکہ کچھ کہتے سنتے اور یہ سمجھانے کی دو شش کرتے کہ ملک میں کسی کو نائب بنانا کر ملک نظم و نیق کو برقرار رکھا جا سکتا ہے اور پھر جب اور لوگوں نے جانے کا مشورہ دیا تھا تو امیر المؤمنین علیہ السلام سے مشورہ لینے کا داعی اس کے علاوہ ہو ہی کیا سکتا تھا کہ رک جانے کا کوئی سہارا مل جائے۔

